قرآنیات

اشراق

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الانبیاء

(۱)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۱﴾ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ

———— ۲ ————

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

لوگوں کے لیے اُن کے حساب کا وقت قریب آ لگا ہے[۱۷۸] اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کیے جا رہے ہیں[۱۷۹]۔ اُن کے پروردگار کی طرف سے جو تازہ یاددہانی بھی اُن کے پاس آتی ہے، وہ

۱۷۸؎ یعنی مشرکین مکہ کے لیے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اب سنت الٰہی کے مطابق کسی وقت بھی عذاب سے دوچار ہو سکتے تھے۔ پیچھے سورۂ طٰہٰ کے آخر میں جس چیز کے بارے میں فرمایا تھا کہ اُس کا انتظار کرو، یہ اُسی کے قریب آ لگنے کا ذکر ہے، جس سے بغیر کسی تمہید کے یہ سورہ شروع ہو گئی ہے۔ یہ لوگ چونکہ خدا کی یاددہانی سے منہ موڑے ہوئے تھے، اِس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی اِن سے منہ موڑ کر ایک عام لفظ 'النَّاس' سے اِن کا ذکر فرمایا ہے۔

مِّنۡ رَّبِّہِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡہُ وَ ہُمۡ یَلۡعَبُوۡنَ ﴿۲﴾ لَاہِیَۃً قُلُوۡبُہُمۡ وَ اَسَرُّوا
النَّجۡوَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ہَلۡ ہٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَ اَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳﴾
قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۴﴾

اُس کو سنتے ہیں تو کھیل میں لگے ہوتے ہیں۔ اُن کے دل غافل ہیں اور وہ ظالم چپکے چپکے (آپس میں) سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص ہے ہی کیا، یہ تو تمھارے ہی جیسا آدمی ہے، پھر کیا آنکھوں دیکھتے اِس کے جادو میں پڑتے ہو؟[180] ۱-۳

(اِس پر) رسول نے کہا:[181] (یہ کیا سرگوشیاں کرتے ہیں)؟ میرا پروردگار ہر اُس بات کو جانتا ہے جو زمین و آسمان میں کی جائے اور وہ سمیع و علیم ہے۔ ۴

۱۷۹۔ آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں: ایک غفلت، دوسرا اعراض۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''...غفلت، یعنی زندگی کے اصل حقائق سے بے پروائی، بجاے خود بھی انسان کی شامت کی دلیل ہے اور ایک بہت بڑا جرم ہے، لیکن یہ جرم اُس صورت میں بہت زیادہ سنگین ہو جاتا ہے، جب کوئی اللہ کا بندہ جھنجھوڑنے اور جگانے کے لیے اپنا پورا زور صرف کر رہا ہو، لیکن لوگ ایسے غفلت کے ماتے ہوں کہ اُس کی کوئی نصیحت بھی سننے کے لیے تیار نہ ہوں۔'' (تدبرقرآن ۵/ ۱۲۲)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۸۰۔ یہاں 'جادو' کا لفظ ٹھیک اُس مفہوم میں ہے، جس میں یہ 'إن من البیان لسحرًا' کے جملے میں آیا ہے، یعنی اُس کلام کا جادو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو سنا رہے تھے۔ کسی کلام کی غیرمعمولی تاثیر و تسخیر کے لیے یہ تعبیر اہل عرب کے ہاں بھی رائج تھی اور ہمارے ہاں بھی موجود ہے۔ اِس سے وہ اپنے لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ تم جس چیز سے متاثر ہو رہے ہو، وہ سراسر الفاظ کی ساحری ہے، اِسے کوئی الہامی کلام اور اِس کے پیش کرنے والے کو خدا کا رسول قرار دے کر اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا نہ کرو۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اِس کلام کا زور اور اِس کی سطوت و جلالت فی الواقع دلوں کو تسخیر کرتی ہے، لیکن اِس سے زیادہ اِس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ لفظ و معنی کے ربط و نظام کا غیرمعمولی کمال ہے، جس کا مظاہرہ یہ نبوت و رسالت کے مدعی بن کر تمھارے سامنے کر رہے ہیں۔ تم سوچنے سمجھنے والے لوگ ہو، تمھیں تو اِس شخص کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔ یہ آخری بات، ظاہر ہے کہ مخاطبین کے اندر احساس برتری کو ابھارنے کے لیے کہی جاتی تھی۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾

یہی نہیں کہ صرف جادو کہتے ہیں، بلکہ اُنھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ پراگندہ خواب ہیں، بلکہ یہ بھی کہ اِس نے اپنی طرف سے اِس قرآن کو گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ بھی کہ یہ محض ایک شاعر ہے۔[۱۸۲] سو (اگر یہ واقعی پیغمبر ہے تو) ہمارے پاس اُسی طرح کوئی نشانی لائے، جس طرح اگلے پیغمبر نشانیوں کے ساتھ بھیجے گئے تھے۔[۱۸۳] ۵

۱۸۱؎ یعنی اُن کو مخاطب کیے بغیر اپنے دل میں کہا اور اِس طرح گویا معاملے کو اللہ کے حوالے کر دیا کہ وہی اِن کے فتنوں کا تدارک کرے گا۔ آگے اِسی تفویض کا بیان ہے۔

۱۸۲؎ اِس سے واضح ہے کہ قرآن کے مخاطبین اُس کی ہیبت وجلالت سے سخت مرعوب تھے، لیکن چونکہ ماننا نہیں چاہتے تھے کہ وہ خدا کا کلام ہے، اِس لیے کبھی اُس کو پیغمبر کے واہمہ کی خلاقی، کبھی اُس کی من گھڑت اور کبھی شاعر کی سحر آفرینی کہہ کر لوگوں کے دلوں پر سے اُس کی ہیبت کو کم کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

۱۸۳؎ آیت میں 'كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ' کے بعد 'بِالْاٰيٰتِ' کا لفظ دلالت قرینہ کی بنا پر حذف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اِن کا یہ حربہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں، اِن کے زعم کے مطابق، سب سے زیادہ کارگر حربہ تھا، اِس لیے کہ قرآن کی دعوت تمام تر آفاق وانفس اور عقل وفطرت کے دلائل پر مبنی تھی۔ وہ معجزات وخوارق اور نشانی عذاب کے بجائے لوگوں کو آنکھیں کھولنے اور عقل وبصیرت سے کام لینے پر ابھارتا تھا کہ ایمان کا فطری راستہ عقل ودل کا راستہ ہے۔ جو لوگ عقل وبصیرت سے کام نہیں لیتے، وہ خوارق دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اور عذاب کی نشانی دیکھ کر جو لوگ ایمان لاتے ہیں، اُن کا ایمان لانا بے سود ہوتا ہے۔ قرآن کی یہ بات بالکل برحق تھی، لیکن مخالفین اُس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریز پر محمول کر کے لوگوں کو ورغلاتے کہ دیکھو، اگر یہ سچ مچ کوئی رسول ہوتے تو اِن کے لیے ہمارا یہ مطالبہ پورا کر دینا کیا مشکل تھا! لیکن جب یہ اِس سے گریز کر رہے ہیں تو اِس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اپنے دعوے میں (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں۔'' (تدبر قرآن ۵/ ۱۲۵)

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٦﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ
اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧﴾ وَمَا
جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿٨﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ
فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٩﴾

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠﴾ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ

ہم نے جن بستیوں کو ہلاک کیا ہے، اُن میں سے کوئی بھی اِن سے پہلے (اِس طرح کی نشانی دیکھ کر) ایمان نہیں لائی تو کیا یہ ایمان لائیں گے؟ (کہتے ہیں کہ ہمارے جیسا آدمی ہے)۔تم سے پہلے بھی ہم نے جس کو رسول بنا کر بھیجا، آدمیوں ہی میں سے بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔سو یاددہانی والوں سے پوچھ لو، اگر تم لوگ نہیں جانتے ہو۔[184] ہم نے اُن رسولوں کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور وہ (دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے بھی نہیں تھے۔[185] پھر دیکھ لو کہ اُن سے اپنا وعدہ ہم نے پورا کر دیا[186] اور اُن کو اور (اُن کے ساتھ) جن کو ہم چاہتے تھے، بچا لیا اور حد سے گزرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر چھوڑا۔ ۶-۹

(لوگو)، ہم نے تمھاری طرف بھی ایک کتاب نازل کر دی ہے، جس میں تمھارے حصے کی

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۸۴؎ اِس میں مخاطبین پر ایک نوعیت کی تعریض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اولاد ہونے کے باوجود نہیں جانتے ہو تو اُن اہل کتاب سے پوچھ لو جن کے پاس اِس سے پہلے اِسی طرح یاددہانی بھیجی گئی۔ اِس بدیہی حقیقت کا انکار تو وہ بھی نہیں کر سکتے۔

۱۸۵؎ یہ اُن باتوں کا جواب ہے جو وہ کہتے تھے کہ یہ تو اُسی طرح کھاتے اور پیتے ہیں، جس طرح تم کھاتے اور پیتے ہو، پھر یہ رسول کس طرح ہو سکتے ہیں؟

۱۸۶؎ یعنی یہ وعدہ کہ اُن کے جھٹلانے والوں کو ہم لازماً ہلاک کر دیں گے اور اُنھیں اور اُن کے ساتھیوں کو نجات دیں گے۔ رسولوں سے متعلق یہ اُسی سنت الٰہی کا ذکر ہے، جس کی وضاحت ہم جگہ جگہ کر چکے ہیں۔

قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ
مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰهُمْ
حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾

یاددہانی ہے۔ پھر کیا سمجھتے نہیں ہو؟[۱۸۷] کتنی ہی بستیاں ہم نے توڑ پھوڑ کر برابر کر دیں جو اپنی جانوں پر ظلم ڈھا رہی تھیں[۱۸۸] اور اُن کے بعد دوسرے لوگ اٹھا کھڑے کیے۔[۱۸۹] پھر جب اُنھوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی تو اُسی وقت وہاں سے بھاگنے لگے۔ (ہم نے کہا): اب بھاگو نہیں، اپنے اُسی سازوسامان کی طرف جس میں تم مزے کر رہے تھے اور اپنے اُنھی گھروں کی طرف لوٹ جاؤ جو تمھاری عشرت گاہیں تھیں[۱۹۰] تاکہ تم سے پوچھا جائے۔[۱۹۱] اُنھوں نے واویلا کیا کہ ہاے ہماری بدبختی، بے شک، ہم ہی ظالم تھے۔ سو یہی واویلا کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے اُن کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا، گویا بجھے ہوئے پڑے ہیں۔[۱۹۲] ۱۰-۱۵

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

۱۸۷؎ یعنی اِس بات کو سمجھتے نہیں ہو کہ یہ خدا کی یاددہانی ہے اور اِس کو رد کر دینے کا نتیجہ کیا ہو گا؟ تمھاری عقل کہاں کھوئی گئی ہے؟ تم کیوں اپنی شامت کو دعوت دے رہے ہو؟

۱۸۸؎ لفظ ’ظَالِم‘ یہاں ’ظالم لنفسه‘ کے معنی میں ہے۔ قرآن میں یہ متعدد مقامات پر اِس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ہم نے ترجمہ اِسی کے لحاظ سے کیا ہے۔

۱۸۹؎ مطلب یہ ہے کہ نہیں مانو گے تو تمھارے ساتھ بھی یہی ہو گا اور اِس سے خدا کی دنیا اجڑ نہیں جائے گی۔ وہ تمھاری جگہ دوسروں کو لا بسائے گا۔ یہ اُس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔

۱۹۰؎ یہ فقرہ اصل میں مقدر ہے۔ اِس کا قرینہ یہ ہے کہ یہاں خطاب امرا و اغنیا سے ہے، جیسا کہ ’مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ‘ کے الفاظ سے واضح ہے، اور یہ اُنھی کے گھر ہیں۔

۱۹۱؎ یہ طنز و تضحیک کا جملہ ہے، یعنی تمھاری خبر لی جائے۔

۱۹۲؎ اصل میں ’حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ نہایت بلیغ استعارہ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا
لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ

ہم نے زمین و آسمان کو اور اُس کو جو اُن کے درمیان ہے، کچھ کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔[193] اگر ہم کوئی کھیل بنانا چاہتے تو اُس کا اہتمام اپنے پاس ہی سے کر لیتے، اگر ہم کو یہی کرنا ہوتا۔[194] ہرگز نہیں،[195] بلکہ (ایک دن آنے والا ہے[196] کہ) ہم حق کو باطل پر ماریں گے اور وہ اُس کا سر

”...(اِس) میں یہ مضمون مضمر ہے کہ جس طرح گھاس کاٹ کر اُس کے خشک انبار میں آگ لگا دی جائے اور وہ راکھ کا ڈھیر ہو کے رہ جائے، اُسی طرح ہم نے اُن کو خاک اور راکھ بنا دیا۔ لفظ ’خٰمِدِيْنَ‘ یہاں مستعارلہٗ کی رعایت سے آیا ہے اور یہ عربی کا معروف اسلوب ہے۔“ (تدبر قرآن ۵/۱۲۹)

۱۹۳؎ پیچھے فرمایا تھا کہ ایسا ایک دن آنا لازمی ہے، جس میں پوچھا جائے گا کہ کیا کرتے رہے ہو۔ یہ اُس کی دلیل بیان کی ہے کہ اگر جزا و سزا نہیں ہے، جیسا کہ تم سمجھتے ہو تو اِس کے معنی یہ ہوئے کہ دنیا کسی بھگوان کی لیلا، کسی کھلنڈرے کا کھیل یا کسی دیوتا کا اکھاڑا ہے۔ تم واقعی یہ سمجھتے ہو تو سن لو کہ ہم نے اِس کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔ اِس کی ایک ایک چیز گواہی دے رہی ہے کہ یہ نہایت پرحکمت کارخانہ ہے اور اِس کے بنانے والے نے اِسے ایک عظیم مقصد اور عظیم غایت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ایک دن ایسا لازماً آئے گا، جس میں یہ مقصد ظاہر ہو جائے گا۔

www.javedahmadghamidi.com

۱۹۴؎ یعنی اول تو یہ ہمارے شایان شان نہیں کہ ایسا کرتے، لیکن بالفرض کرنا ہی تھا تو اِس کے لیے روم کا یہ اکھاڑا بنا کر اپنے ہی ذی حس اور ذی شعور بندوں اور بندیوں کا تماشا دیکھنا تو ظلم اور شقاوت کی انتہا ہے۔ تم خداے رحمٰن کے بارے میں یہ خیال کس طرح کرتے ہو کہ اُس نے حق و باطل، خیر و شر، ہدایت و ضلالت اور ظلم و مظلومی کی یہ رزم گاہ صرف اِس لیے قائم کر رکھی ہے کہ خود ایک تماشائی بن کر اِس کا تماشا دیکھتا رہے۔ خدا کے بندو، یہ اُس کے عدل اور رحم کے بالکل منافی ہے۔

۱۹۵؎ یعنی یہ دنیا ہرگز کھیل تماشا نہیں ہے۔ تمھارا یہ خیال بالکل باطل ہے۔

۱۹۶؎ یعنی قیامت کا دن، جب اُس امتحان کا نتیجہ سامنے آئے گا جو اِس وقت برپا ہے کہ تم میں سے کون حق کی راہ اختیار کرتا ہے اور کون باطل ہی پر قائم رہ کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾
وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا
يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾
اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ
لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ

توڑ دے گا۔ پھر اُسی وقت دیکھو گے کہ وہ نابود ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمھارے لیے بڑی خرابی ہے اُن باتوں کی وجہ سے جو تم بیان کرتے ہو۔[۱۹۷] ۱۶-۱۸

اُسی کے ہیں جو زمین اور آسمانوں میں ہیں اور جو اُس کی بارگاہ میں ہیں، (جنھیں اُس کی اولاد بنا کر پوجتے ہو)،[۱۹۸] وہ اُس کی بندگی سے سرتابی نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں۔ رات دن اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، کبھی دم نہیں لیتے۔ ۱۹-۲۰

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کیا اِنھوں نے زمین کے الگ معبود ٹھیرا لیے ہیں جو اُس کو جلا اٹھاتے ہیں؟[۱۹۹] اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دوسرے معبود بھی ہوتے تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔[۲۰۰] سو اللہ، عرش کا

۱۹۷؎ یعنی یہ باتیں کہ دنیا محض ایک کھیل تماشا ہے اور آخرت اگر ہوئی بھی تو ہمارے شرکا و شفعا ہم کو ہر خطرے سے بچا لیں گے۔

۱۹۸؎ یہ فرشتوں کا ذکر ہے جن کے بارے میں مشرکین عرب کا گمان تھا کہ وہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور وہ چونکہ اُن کو پوجتے ہیں، اِس لیے اُن کی سفارش سے وہ خدا کی پکڑ سے بچ جائیں گے۔

۱۹۹؎ یعنی زندگی بخشتے اور شاداب کر دیتے ہیں۔ اہل عرب کے علم الاصنام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو وہ خدا کی سلطنت میں ایک دور کی جگہ سمجھ کر یہ خیال کرتے تھے کہ اُس کا نظم و نسق اُس نے دوسروں کے حوالے کر رکھا ہے اور خود اُس سے الگ تھلگ آسمانوں پر اپنی حکومت چلا رہا ہے۔ یہ اِسی واہمے کی تردید ہے۔

۲۰۰؎ یہ توحید کی وہی دلیل ہے جسے دلیل توافق کہا جاتا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

’’...اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ اِس کائنات کے بقا کا انحصار اِس امر پر ہے کہ اِس کے مختلف اجزا و عناصر اور اِس

يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ
وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾

مالک[201] اُن سب چیزوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے، اُس کے لیے (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں ہے اور یہ سب جواب دہ ہیں[202]۔ کیا اِنھوں نے خدا کے سوا دوسرے معبود ٹھیرا لیے ہیں؟ اِن سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو۔ یہ اُن کی یاددہانی موجود ہے جو میرے ساتھ ہیں اور اُن کی یاددہانی بھی جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں[203]۔ نہیں، کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اِن میں سے زیادہ حق کو نہیں جانتے، اِس لیے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے ہیں، اُن کی طرف ہم یہی وحی کرتے رہے ہیں[204] کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، سو میری ہی بندگی کرو[205]۔ ۲۱-۲۵

کے تمام اضداد میں نہایت گہرا توافق ہے۔ اگر یہ توافق ایک لمحے کے لیے بھی ختم ہو جائے تو اِس کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ یہ توافق صریح طور پر اِس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اِس پوری کائنات پر ایک ہی ذات کا ارادہ (mind) کارفرما ہے۔ اگر اِس میں بہت سے ارادے کارفرما ہوتے تو آسمان و زمین کا باقی رہنا ناممکن تھا۔'' (تدبر قرآن ۵/۱۳۶)

۲۰۱؎ یعنی کائنات کے تخت سلطنت کا مالک۔

۲۰۲؎ اِس لیے یہ تصور نہایت احمقانہ ہے کہ کوئی اُس کے ارادوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔

۲۰۳؎ یہ اب توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں انبیا علیہم السلام کی تذکیر کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن بھی موجود ہے جو میرے ماننے والوں کے لیے یاددہانی بن کر نازل ہوا ہے اور تورات، زبور، انجیل اور انبیا کے دوسرے صحائف بھی۔ اُنھیں دیکھ لو، اُن میں سے کسی میں بھی شرک کی تعلیم نہیں پائی جاتی، وہ سب توحید ہی کی شہادت دیتے ہیں۔

۲۰۴؎ اصل میں 'نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ' کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن میں 'نُوْحِيْ' سے پہلے ایک فعل ناقص عربیت کے اسلوب

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ
وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يَشۡفَعُوۡنَ اِلَّا
لِمَنِ ارۡتَضٰى وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ مُشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۸﴾وَمَنۡ يَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّىۡۤ اِلٰهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ
فَذٰلِكَ نَجۡزِيۡهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۹﴾

یہ کہتے ہیں کہ خداے رحمٰن کے اولاد ہے۔ وہ (اِس تہمت سے) پاک ہے۔ فرشتے، جن کو یہ خدا کی بیٹیاں سمجھتے ہیں، وہ اُس کی اولاد نہیں، بلکہ مقرب بندے ہیں[۲۰۶]۔ وہ اُس کے حضور کبھی بڑھ کر نہیں بولتے اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں[۲۰۷]۔ اُن کے آگے اور پیچھے جو کچھ ہے، سب اُس کو معلوم ہے۔ وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے، اُس کے سوا جس کے لیے اللہ پسند فرمائے اور اُس کی ہیبت سے لرزتے رہتے ہیں۔ اُن میں سے جو یہ کہنے کی جسارت کرے کہ اللہ کے سوا میں الٰہ ہوں تو اُس کو ہم جہنم کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو اِسی طرح سزا دیتے ہیں[۲۰۸]۔ ۲۶-۲۹

پر حذف کر دیا گیا ہے۔

۲۰۵؎ اوپر اگلوں کی جس یاددہانی کا حوالہ دیا ہے، یہ اُس کی مزید وضاحت کر دی ہے۔

۲۰۶؎ اِس لیے کہ وہ شرک سے بالکل پاک ہیں، خدا کی سچی معرفت رکھتے ہیں اور کامل وفاداری کے ساتھ اُس کی بندگی کا حق ادا کرتے ہیں۔ اِس کا صلہ خدا کا تقرب ہے، نہ کہ زور واثر اور ناز و تدلل جس سے وہ، اِن کے زعم کے مطابق، خدا سے جو چاہیں گے، منوالیں گے۔

۲۰۷؎ مطلب یہ ہے کہ جن کی حیثیت خدا کے آگے یہ ہے، اُن کے بارے میں یہ خیال کر لینا کہ وہ خدا کی بارگاہ میں ایسا زور واثر رکھتے ہیں کہ اپنے ماننے والوں کو اُس کی پکڑ سے بچا لیں گے، محض حماقت ہے۔

۲۰۸؎ یہ پوری تقریر اُسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے فرمائی ہے جو اوپر بیان ہوئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی یہ حیثیت مان لی جائے کہ وہ اپنی سفارش سے مجرموں کو چھڑا سکتا ہے تو عقیدۂ آخرت بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور خدا کے بارے میں بھی یہ ماننا ممکن نہیں رہتا کہ وہ کوئی عادل اور حکیم ہستی ہے، جس کے وعدوں پر بھروسا کیا جا سکتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اَوَلَمۡ یَرَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلۡنَا فِی الۡاَرۡضِ رَوَاسِیَ اَنۡ تَمِیۡدَ بِہِمۡ وَجَعَلۡنَا فِیۡہَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا

(یہ نشانیاں مانگتے ہیں)۔ کیا اِن منکروں نے بارہا دیکھا نہیں کہ آسمان اور زمین، دونوں بند ہیں[۲۰۹]، پھر ہم نے اُن کو کھول دیا[۲۱۰] اور ہم نے ہر زندہ چیز کو آسمان کے پانی ہی سے پیدا کیا ہے؟ کیا وہ پھر بھی ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے کہ وہ اُن کو لے کر جھک نہ پڑے[۲۱۱] اور

۲۰۹۔ یعنی آسمان سے بارش نہیں ہوئی اور زمین سے سبزہ نہیں اگا۔ اِسی کو آیت میں 'رَتۡق'، یعنی بند ہونے سے تعبیر کیا ہے۔

۲۱۰۔ یعنی آسمان کو کھول دیا اور اُس نے دھڑا دھڑ پانی برسانا شروع کر دیا۔ اِس کے نتیجے میں زمین بھی کھل جاتی ہے اور نباتات کے خزانے اگلنا شروع کر دیتی ہے۔

یہ مشاہدہ جن حقائق پر دلالت کرتا ہے، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اُن کی وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اِس میں نہایت واضح دلیل توحید کی موجود ہے۔ اگر آسمان میں الگ الٰہ اور زمین میں الگ معبود ہوتے تو آسمان کو کیا پڑی تھی کہ وہ زمین کو زندہ و شاداب رکھنے کے لیے اپنے ذخیرے کا پانی صرف کرتا؟ زمین و آسمان میں یہ زوجین کی سی سازگاری اِس بات کی صاف شہادت ہے کہ دونوں کا خالق و مالک ایک ہے اور دونوں پر اُسی کا ارادہ کارفرما ہے۔

دوسری شہادت اِس کے اندر معاد کی ہے۔ جب زمین خشک و بے آب و گیاہ یا بالفاظ دیگر مردہ ہو کر از سر نو زندہ و شاداب ہو جاتی ہے تو موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو کیوں مستبعد خیال کیا جائے؟

تیسری شہادت اِس کے اندر انسان کے مسئول ہونے کی ہے۔ جب خدا نے انسان کی پرورش کے لیے یہ کچھ اہتمام فرمایا ہے کہ اپنے آسمان و زمین، سورج چاند اور ابر و ہوا، ہر چیز کو اُس کی خاطر سرگرم کار رکھتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اُس کو بالکل شتر بے مہار بنا کر چھوڑ دے، محاسبے کا کوئی دن اُس کے لیے مقرر نہ کرے۔''

(تدبر قرآن ۱۴۱/۵)

۲۱۱۔ یہ غالباً وہی چیز ہے جسے جدید سائنس میں 'isostasy' کہا جاتا ہے۔ قرآن کے اِس بیان سے پہاڑوں کے بارے میں یہ نظریہ درست معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندروں کے نیچے کے کثیف مادے کو متوازن رکھنے

www.javedahmadghamidi.com

مَّحۡفُوۡظًا وَّھُمۡ عَنۡ اٰیٰتِھَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ الَّیۡلَ وَالنَّھَارَ وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۳۳﴾

اُن پہاڑوں کے اندر راستے کے لیے درے بنائے تاکہ لوگ (اپنے لیے) راہ پائیں۔[۲۱۲] اور آسمان کو ہم نے ایک محفوظ چھت بنا دیا[۲۱۳] اور یہ لوگ ہیں کہ اُس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہے۔ اِن میں سے ہر ایک (اپنے) ایک مدار میں گردش کر رہا ہے۔[۲۱۴] ۳۰-۳۳

کے لیے سطح زمین پر ابھرے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو زمین اُسی طرح ہلتی رہتی، جس طرح اب زلزلہ آجائے تو ہلتی ہے۔ اِس کے لیے جو الفاظ قرآن میں آئے ہیں، اُن میں 'اَنۡ' سے پہلے لام علت عربیت کے اسلوب پر مقدر ہے۔ ہم نے ترجمہ اُسی کے لحاظ سے کیا ہے۔ یہ اُسی طرح کا اسلوب ہے، جیسے ہم کہتے ہیں: 'ھذا دواء للحمی'۔

۲۱۲؎ یعنی سفر کی راہ بھی اور جس پروردگار کی قدرت، عظمت اور حکمت اِن راستوں کے وجود سے ظاہر ہوتی ہے، اُس تک پہنچنے کی راہ بھی۔ یہ بلیغ فقرہ، اگر غور کیجیے تو نہایت خوبی کے ساتھ اِن دونوں مفاہیم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

۲۱۳؎ یعنی ایک ایسی چھت جس کی وسعت و پہنائی کی کوئی حد نہیں ہے، لیکن نہ کہنہ ہوتی ہے، نہ اِس میں کوئی خلل پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایسی محکم ہے کہ دیکھنے والے اِس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ازل سے ہے اور ابد تک قائم رہے گی۔ اور یہی نہیں، اب تو ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اِس کی ترکیب اِس طرح ہے کہ یہ ہم کو سورج کی نقصان دہ شعاعوں سے بھی بچاتی ہے اور شہاب ثاقب کی اُس بارش سے بھی جو دس کھرب روزانہ کے اوسط سے زمین کی طرف گرتے ہیں۔ پھر اِس کے خالق نے اِسے ایسے قمقموں سے سجا دیا ہے جن کی حسن افروزی اور فیض بخشی ہر اندازے اور خیال سے باہر ہے۔

۲۱۴؎ یہ اِس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کوئی ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتا، بلکہ ٹھیک اُس قانون کے مطابق گردش کرتا رہتا ہے جو اُس ہستی نے اُس کے لیے مقرر کر دیا ہے، جس کے ہاتھ میں اُس کی باگ ہے اور جو کائنات کے مجموعی مفاد کے لیے اُس کو مسخر کیے ہوئے ہے۔

[باقی]

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org